جدید عراقی شاعری کے رہنما

زہاوی اور رصافی

از

(جناب مولوی رشید احمد صاحب ارشد ایم اے استاذ ادبیات عربی کراچی یونی ورسٹی)

عراق عرب میں ترکی دور حکومت میں کئی علمی خاندان تھے جنھوں نے عربی علم وادب کی کافی خدمت کی تھی جن میں الوسی خاندان سب سے زیادہ مشہور ہے مگر جس شخص نے سب سے پہلے عربی شاعری میں حالاتِ زمانہ سے متاثر ہوکر انقلابی خیالات پیش کئے وہ جمیل صدقی الزہاوی تھا وہ ۱۸۶۳ء میں بغداد میں پیدا ہوا اسی لحاظ سے اس کا زمانہ وہی ہے جو ولی الدین یکن اور حافظ وشوقی کا زمانہ ہے اس کے والد علامہ محمد فیضی الزہاوی بغداد کے مفتی تھے مگر شاعر موصوف مذہبی خیالات میں بہت آزاد تھا اور اس نے مذہبی علوم کے بجائے فلسفہ اور شعر وشاعری سے کافی دلچسپی قایم رکھی زہاوی ابتدائی زمانے سے ہی ایک آزاد خیال فلسفی شاعر تھا۔ ترکی دورِ حکومت میں وہ محکمۂ تعلیم کے اعلیٰ عہدوں پر فائز رہا، وہ ترکی پارلیمنٹ کا ممبر بھی تھا مگر اپنی آزاد خیالی اور حق گوئی کی بدولت سخت قید وبند کے مصائب برداشت کرتا رہا اس نے حقوق نسواں کی حمایت میں اخبار المؤید مصر میں ایک مضمون شائع کراکر عربی ممالک میں ہلچل برپا کردی تھی اسی مضمون نے بغداد کے عوام کو اس قدر مشتعل کردیا تھا کہ وہ اسے اسلامی شریعت کے خلاف سمجھ کر اس کو قتل کرنے کے درپے ہوگئے تھے جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ نہ صرف اس کی ملازمت جاتی رہی تھی بلکہ گھر سے نکلنا بھی مشکل ہوگیا تھا۔ بہر حال کچھ عرصہ کے بعد یہ شورش رفع ہوگئی تھی۔

زہاوی کا ابتدائی کلام قابلِ ذکر نہیں ہے اس کی شاعری میں بھی اس وقت جوش و

خروش پیدا ہوا جب وہ عثمانی حکومت کی قید و بند کے مصائب برداشت کر چکا تھا اور بغداد جلا وطن ہو کر واپس آیا اسی وقت اس نے عربی ممالک کے مشہور رسائل میں حافظ ابراہیم کی طرح قومی نظمیں شائع کرانی شروع کیں جن میں قوم کو تعلیمی و سماجی ترقی کی طرف آمادہ کیا گیا تھا۔

زہاوی اپنے ہم عصر مصری شعراء سے زیادہ آزاد خیال ہے اس کا اندازِ فکر ولی الدین یکن سے بہت کچھ ملتا جلتا ہے اسی طرح اس کے کلام میں عہد قدیم کے خلاف بغاوت کے وہی جذبات اور وہی تلخی اور تیزی پائی جاتی ہے، دونوں عثمانی حکومت اور سلطان عبد الحمید خاں کے ظلم و استبداد کے شکار ہوئے اور اسی کے خلاف لکھتے رہے، ولی الدین یکن نے اپنے اشعار اور قلم کے ذریعے زہاوی کی اس وقت حمایت کی جب کہ عوام میں اس کی مخالفت بہت بڑھی ہوئی تھی۔

زہاوی نے علم و تعلیم، حقوق نسواں، حریت و آزاد خیالی کی حمایت میں بہت زیادہ زورِ قلم صرف کیا ہے نظم کے علاوہ نثر کے ذریعہ بھی اس نے مشرقی ممالک کے جمود و تقلید کی زنجیریں توڑنے میں بہت بڑا حصہ لیا ہے۔ اس نے اپنے جوانی کے زمانے میں بھی جب کہ وہ طالب علم تھا نیوٹن کے نظریہ "کشش ثقل" کی مخالفت کر کے سائنس کی دنیا میں ہلچل مچا دی تھی اس پر عربی جرائد و رسائل میں بہت عرصہ تک بحث و مباحثہ ہوتا رہا گو اس کے یہ خیالات مقبول نہ ہو سکے تاہم اس سے اس کی اجتہادی فکر و نظر کا اندازہ ہوتا ہے۔

شاعر موصوف کے نظم کے پانچ مجموعے شائع ہو چکے ہیں جس میں ایک مجموعہ رباعیات کا بھی ہے اس میں شاعر نے رُباعی کی طرز میں عمر خیام اور قدیم فلسفی شاعر ابو العلاء المعری کے جواب میں مختلف اصناف پر طبع آزمائی کی ہے جن میں چھوٹی بحریں اور بعض خاص قسم کی بحریں استعمال کی گئی ہیں ان میں اخلاق، سیاست، فلسفہ، معاشرت،

سائنس، وصف نگاری، عشق و محبت، مصیبت و بدبختی، یقین و شک، ہزلیات سب پر طبع آزمائی کی گئی ہے۔

پہلی جنگِ عظیم کے دوران میں اور اس کے بعد اتحادیوں نے عربوں پر جو مظالم کئے تھے، ان پر بھی بڑی دردناک نظمیں تحریر کی ہیں اس کی نظموں میں رنج و غم کے جذبات کافی ہیں مگر ان نظموں میں جن میں نوجوانوں کو ترقی کے لئے آمادہ کیا گیا ہے۔ محبت و عمل اور جوش و خروش کا پیغام دیا گیا ہے اکثر اشعار میں اس نے حکّام کے ظلم و استبداد اور علمار کے جمود کی مخالفت کی ہے، اصلاح و تجدد اس کی شاعری کا سب سے بڑا مقصد معلوم ہوتا ہے۔

عراق کے مشہور ادیب انور شاؤل نے عراق کے اہلِ قلم کے ایک جلسہ میں جو زہاوی کی یاد میں منعقد کیا گیا تھا۔ شاعر موصوف کے شاعرانہ کمالات کا ذکر کرتے ہوئے اسے فرانس کے مشہور شاعر وکٹر ہیوگو سے مشابہ قرار دیا تھا انھوں نے دونوں شاعروں کے تاریخی پس منظر کا ذکر کرتے ہوئے یہ بیان کیا تھا کہ دونوں شاعر اپنے ملک کے انقلابی دور میں نمودار ہوئے اور دونوں نے ظلم و استبداد کے خلاف حریت اور صداقت کی حمایت میں اپنی آواز بلند کی، اسی طرح اپنی حق گوئی کی بدولت دونوں نہ صرف مذہبی رہنماؤں کے حملوں کا شکار ہوئے بلکہ اپنے ہم عصر ادیبوں کے حسد اور دشمنی کا نشانہ بھی بنے۔ یہاں تک کہ ذاتی عادات و اطوار میں وہ ایک دوسرے کے مشابہ تھے دونوں میں ایک قسم کی خود پسندی کی عادت بھی تھی۔

زہاوی کی گوناگوں شاعری کا احاطہ کرنے کے لئے اس کا مکمل نمونہ کلام پیش کرنا بہت مشکل ہے تاہم چند اشعار کا آزاد ترجمہ ہدیۂ قارئین ہے۔ جوانوں کو ہمت اور حق پسندی کا پیغام دیتے ہوئے شاعر موصوف یوں رقم طراز ہے " اپنی شعلہ بیانی سے اپنے دل و دماغ کے افکار کو جرأت کے ساتھ پیش کرو" سیلِ تندرو،

آندھی اور بگولوں کی طرح اپنی منزلِ مقصود کی طرف ہمت اور جرأت کے ساتھ گامزن ہو جاؤ۔ تم سب کے سب اپنے نفس کے حاکم بن جاؤ کیوں کہ یہ دور تمام ادوار کا سردار ہے، حق و صداقت کو کھلم کھلا ظاہر کرو اور لوگوں کے سامنے تمام اسرار کو آشکار کردو۔ زندگی کیا ہے؟ ایک دائمی کشمکش یا کمزور کی قوی سے نبرد آزمائی ہے، اولوالعزم انسان کے لیئے فلاح و کامرانی ہے اور کمزور کے لئے تباہی و بربادی ہے۔ اے بوڑھے انسانو! تم مردِ میدان نہیں ہو اس لئے پیچھے ہٹ جاؤ۔ اے نوجوانو! تم آگے بڑھو۔ آگے بڑھو۔"

شاعرِ موصوف سرزمینِ عراق اور خطۂ بغداد کے دل فریب مناظر سے اپنی والہانہ شیفتگی کا ثبوت اس طریقہ سے پیش کرتا ہے

"اے عراق کے آسمان! تم کس قدر صاف اور پاکیزہ نظر آتے ہو اور اسی وجہ سے بہترین آسمان ہو۔ میری طرف دیکھو کیوں کہ میرے دل و جان تم سے انتہائی محبت کرتے ہیں، مجھے اس وقت دیکھو جب صبح کے وقت خاموشی سے شجر پر عنادِل نغمہ زن ہوں، مجھے رات کے وقت دیکھو جب ستاروں کی نگاہوں سے رات کی تاریکی میں آفتاب غائب ہو جائے، مجھے اس وقت دیکھو جب رات کے سناٹے میں مخلوقِ خدا خاموش ہو اور روئے زمین پر کوئی شور و غل نہ ہو۔ میرے دیکھنے کا وہ وقت بھی کیا خوب ہے جب فطرت رات کی تاریکی میں چشموں کے نغمے سننے کے لئے ہمہ تن گوش ہو۔

اس وقت بھی مجھے دیکھو جب موسمِ خزاں میں درختوں سے پتے جھڑ جائیں اور جب باغ پھولوں سے اور اس کے پھول تر و تازگی سے خالی ہو جائیں۔ مجھے اپنی چشمِ نیلگوں سے چپکے چپکے بادلوں کے جھروکوں سے بھی دیکھو۔ اے آسمان! اگر تم مجھے اپنی آنکھوں سے دیکھو گے تو میری آنکھیں روتے وقت بھی تمھاری شکر گزار نظر آئیں گی۔"

حق گوئی کی حمایت میں شاعرِ موصوف اس طرح نغمہ سنج ہے

"حق کی حمایت سے تمہیں جاہلوں کا شور و غوغا نہ باز رکھے کیوں کہ جو سچائی کا دلدادہ ہے وہ لوگوں کے سب و شتم کی پرواہ نہیں کرتا۔ سچائی حقیقت بن کر ہمیشہ باقی رہتی ہے خواہ مغرور انسان اس سے چشم پوشی کرے"

حریت و آزادی کے بارے میں شاعر اس طرح نغمہ سرا ہے

"میں تم سے سوال کرتا ہوں کہ حریت پسند شاعر کا کیا فرض ہے؟ جب وہ اپنے شعروں میں حقیقت نگاری کرنا چاہے

(۲) لوگ چاہتے ہیں کہ ایسا شاعر خاموش رہے یہاں تک کہ وہ قبر میں غائب ہو جائے مگر آزاد شاعر کے دل میں ایسے جذبات بھرے ہوئے ہیں جو اسے کھلم کھلا اظہارِ خیال پر آمادہ کرتے رہتے ہیں"

ایک دوسری نظم میں حریت و آزادی کی نعمت کا گیت اس طرح الاپتا ہے۔

"زندگی میں اگر آزادی مل جائے تو وہ ایک لازوال نعمت ہے۔ اسی لئے ہماری محبوب آزادی کا گیت گاؤ جو ہمیں چھوڑ کر چلی گئی ہے، ہاں وہ ضرور لوٹ کر آئے گی جس طرح آفتاب غروب ہونے کے بعد طلوع ہوتا ہے اسی طرح حریت و آزادی کی بدولت ایک طویل عرصہ تک ہمارا شمار فاتح قوموں میں تھا۔ مگر غدار زمانہ نے ہماری امیدوں کا خاتمہ کر دیا جس کا ہمیں وہم و گمان بھی نہ تھا تاہم ایک دور ایسا بھی آئے گا جب زمانہ ہمیں اس کی خوش خبری سنائے گا"

حقوقِ نسواں کی حمایت میں شاعر موصوف نے بہت عمدہ نظمیں لکھی ہیں اور اسی حمایت کے سلسلہ میں بہت تکلیفیں اٹھائی ہیں طوالت کے خوف سے ان نظموں کا ترجمہ نہیں پیش کیا جا سکتا تاہم اسی سلسلے میں دو شعروں کا ترجمہ پیش کیا جائے گا شاعر کہتا ہے

یرفع الشعب فرلقان اناث وذکور

وھل الطائر الا بجناحیہ یطیر

"قوم کو، مرد و عورت دونوں جماعتیں مل کر سربلند کرتی ہیں جس طرح ایک پرندہ اپنے دونوں بازوؤں کی بدولت پرواز کرتا ہے"

شاعر موصوف آخر زمانہ میں ...... معذور و لاچار ہو گئے تھے اور قوم کی ناقدر دانی سے متاثر تھے اسی سلسلے میں انھوں نے یہ دو شعر کہے ہیں

انا لا یسائل عنی احد حین اغیب

انا کالرحمۃ مفقود و کالحق غریب

"میرے بارے میں کوئی نہیں سوال کرے گا جب میں دنیا سے غائب ہو جاؤں گا۔ اس وقت میری مثال ایسی ہو گی جیسے کہ خدا کی رحمت جو مفقود ہے یا جیسے حق و صداقت (اس ملک میں) اجنبی ہے"

زہاوی کی شاعری کا ایک علمی اور تعلیمی پہلو بھی ہے چوں کہ اس کو فلسفہ اور خاص کر فلکیات اور طبیعیات سے گہری دل چسپی تھی اس لئے اس نے اپنی نظموں میں اجرام فلکی اور طبیعیات کے قوانین کو عمدہ پیرائے میں نظم کیا ہے اس نے سائنس اور اس کی معلومات پر اس قدر نظمیں تحریر کی ہیں کہ موجودہ نقاد اُن سے اُکتا کر اس کا شمار ان قدیم شعراء میں کرتے ہیں جنھوں نے طلباء کی سہولت کی خاطر علوم و فنون کی کتابوں کو منظوم شکل میں تحریر کیا تھا چنانچہ حال میں ایک مصری نقاد ڈاکٹر شوقی ضیف نے "العلم فی شعر الزھاوی" کے نام سے ایک مقالہ تحریر کیا ہے جس میں اس کی نظموں کا نمونہ پیش کیا گیا ہے جن میں فلکیات اور طبیعیات کے مسائل بیان کئے گئے ہیں اور ان نظموں کا نمونہ بھی درج کیا گیا ہے جن میں ڈارون کے نظریہ نشو و ارتقاء پر بحث کی گئی ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی بتایا گیا ہے کہ زہاوی بالکل مادہ پرست نہیں تھا بلکہ وہ اصلاح پسند اور مذہب کا قائل تھا اسی طرح وہ مادیت اور روحانیت کی کشمکش میں مبتلا رہا۔

زہاوی کی ان تمام علمی و تعلیمی نظموں کا تذکرہ کرنے کے بعد نقّاد موصوف یہ نتیجہ نکالتا ہے کہ اس کی ان تعلیمی نظموں میں شعریت نہیں ہے وہ رقمطراز ہے۔

"اس نے ان نظموں میں اپنے احساسات اور جذبات کو بہت کم شامل کیا ہے اس کے ان اشعار کو پڑھتے ہوئے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ہم ایسے وحشت ناک صحرا میں آئے ہیں جس میں کوئی زندگی نہیں ہے اور نہ دلچسپی کا کوئی سامان ہے، اس میں دلچسپی کیسے پیدا ہو سکتی ہے جب کہ وہ یہ معلومات پیش کرتے وقت نہ رنج و غم کا اظہار کرتا ہے اور نہ خوش ہوتا ہے، اس وقت وہ بڑا عالم ہوتا ہے اور اپنے علم میں جذبات کو شامل نہیں کرتا۔ اسی طرح اس نے شعر و شاعری پر ایسا بھاری بوجھ ڈال دیا ہے جس کو برداشت کرنے کی اس میں طاقت نہیں ہے، اسی طرح ان نظموں میں نہ صرف شعریت مفقود ہے بلکہ شعری زبان اور موسیقی پر بھی برا اثر پڑا ہے کیوں کہ جب وہ علم کی گھاٹیوں اور اس کے پیچ در پیچ جنگلوں میں گھستا ہے تو زبان و موسیقی دونوں چیزوں کا پتہ نہیں چلتا۔"[1]

ڈاکٹر شوقی ضیف کی رائے ان مخصوص نظموں کے بارے میں ایک حد تک صحیح ہے مگر زہاوی کی عظمت اور شہرت ان نظموں کی وجہ سے نہیں ہے اس کی عظمت ان لافانی نظموں کی بنیاد پر قایم ہے جن میں اس نے حریت و آزادی اور حب الوطنی کے گیت گائے ہیں اور جن کا بہت تھوڑا نمونہ ہم ابھی پیش کر چکے ہیں، ان نظموں میں سچے جذبات و احساسات کی فراوانی ہے اس قسم کی نظمیں جدید عربی شاعری میں ایک بیش بہا اضافہ ہے، اس کی ان مخصوص تعلیمی نظموں میں اگرچہ بہت زیادہ شعریت نہیں ہے بلکہ علم و حکمت کا عنصر غالب ہے تاہم یہ نظمیں بھی اس کی ادبی اور فنی صلاحیت اور قادر الکلامی کا زبردست ثبوت ہیں کیوں کہ ان نظموں میں شاعر موصوف نے عربی نظم میں پہلی دفعہ جدید سائنس کے دقیق مسائل اور نظریوں کو آسان زبان میں سمجھانے کی کوشش کی ہے اور اس طرح ملک کے نوجوانوں کو فلکیات اور طبعیات کے مسائل میں دلچسپی لینے پر آمادہ کیا ہے۔

---

[1] دراسات فی الشعر العربی المعاصر مطبوعہ مصر صفحات ۱۱۸ - ۱۱۹

اگر اس چیز کی افادی حیثیت بھی تسلیم نہ کی جائے تب بھی زہاوی کی نظموں کا ایک بڑا حصہ ایسا ہے جو اسے زندۂ جاوید بنانے اور لافانی شہرت دینے کے لئے کافی ہے

معروف رصافی | عراق کی جدید شاعری کا دوسرا علم بردار شاعر معروف الرصافی تھا۔ زہاوی کی طرح وہ بھی ابھی تک تمام عربی دنیا کا ہر دل عزیز شاعر ہے۔ آج کل کے عراقی نوجوان شعراء کی طرح ان دونوں شاعروں نے عروض و قوافی میں تجربے نہیں کئے بلکہ انھوں نے عربی شاعری کی کلاسیکل شکل کو برقرار رکھا مگر معانی و خیالات کے لحاظ سے بہت تبدیلیاں پیدا کیں۔ قدیم شعراء صرف اپنے ذاتی جذبات و خیالات کی ترجمانی کرتے تھے یا حکام و امراء کی قصیدہ خوانی ان کا مطمح نظر تھا عوام اور قوم کے دکھ درد، ان کے رنج و غم یا شادی و مسرت کے اظہار سے ان کا کوئی تعلق نہیں تھا یہی وجہ ہے کہ معدودے چند شعراء کو چھوڑ کر جن میں ابو العلاء المعری کی شخصیت زیادہ نمایاں ہے، اور کوئی عوام کا ترجمان نہیں بن سکا۔ عراق کی جدید شاعری میں عوام کے دکھ درد کا اظہار سب سے پہلے معروف الرصافی نے کیا۔ اس کی شاعری میں عوام کے رستے ہوئے ناسوروں کو واشگاف کیا گیا ہے اور شاعر موصوف نے بلا تفریق مذہب و ملت، ہر مصیبت زدہ سے اپنی ہمدردی کا اظہار کیا ہے اس کی شاعری آفاقی ہے اور رنگ و نسل، مذہب و ملت کی حدود سے آزاد ہے۔[۱]

رصافی کی شاعری میں رنج و غم کے جذبات زیادہ نمایاں ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ اس کے زمانے میں عراق کی سیاسی معاشی اور معاشرتی حالت نہایت ابتر تھی وہ عثمانی دورِ خلافت کا انتہائی پس ماندہ صوبہ بن کر رہ گیا تھا ترکی حکام لوگوں پر ظلم و ستم کرتے تھے اور خاص کر سلطان عبد الحمید خاں کا "دورِ استبداد" اپنی رعایا کے لئے بہت تباہ کن رہا۔ مصر ایک حد تک ترکوں کے پنجے سے آزاد تھا اسی لئے وہ اس زمانے میں

۱؎ دراسات فی الشعر العربی المعاصر از ڈاکٹر شوقی ضیف صفحات ۳۵ تا ۴۲ مطبوعہ مصر

عربی ممالک کا سب سے زیادہ ترقی یافتہ ملک تھا۔ شام و لبنان میں بھی امریکن اور مغربی ممالک کے مشنری پادریوں اور علمار کی بدولت علم و ادب کی روشنی پھیلنی شروع ہوگئی تھی مگر عراق میں جہالت و استبداد کا دور دورہ تھا وہاں صحیح معنوں میں کوئی تعلیمی ادارہ حکومت کی طرف سے قائم نہیں تھا صرف فوج اور ان کے بچوں کے لئے چند معمولی ادارے قائم تھے اور رصافی کو بھی مجبور ہو کر ان میں سے ایک میں داخل ہونا پڑا اگر وہ اپنے تعلیمی مراحل کو کامیابی کے ساتھ طے نہ کر سکا۔ اسی لئے وہ بغداد کے مشہور عالم علامہ محمود شکری الالوسی کی خدمت میں حاضر ہوا اور بارہ سال تک اُن سے فیض یاب ہوتا رہا آلوسی خاندانِ عراق کا مشہور علمی اور مذہبی خاندان تھا چنانچہ علامہ موصوف کے فیضِ صحبت نے رصافی کے دل میں انسانی ہمدردی اور شفقت کے جذبات کوٹ کوٹ کر بھر دیئے۔

اس عرصہ میں رصافی معلم کی حیثیت سے مختلف تعلیمی مدارس میں کام کرتا رہا اُن تعلیمی مشاغل کے ساتھ اس کی شاعری بھی جاری رہی۔ چوں کہ عراق اخبار و رسائل سے خالی تھا اسی لئے اس کی نظمیں مصر کے مجلہ المقتبس اور مشہور اخبار المؤید میں چھپتی رہیں جن میں ملک کی سیاسی اور سماجی حالات پر کڑی تنقید ہوتی تھی۔

ترکی مملکت میں دستوری اصلاحات نافذ ہونے کے بعد شاعر موصوف نے استنبول کا سفر کیا وہاں وہ ایک سرکاری تعلیمی ادارہ کے معلم اور مشہور قومی جریدہ سبیل الرشاد کے مدیر مقرر ہوئے وہ ترکی کے مشہور مدرسۃ الواعظین میں عربی زبان و ادب کی تاریخ پر لیکچر بھی دیتے رہے نیز پہلی جنگ عظیم تک وہ ترکی پارلیمنٹ کے ممبر بھی رہے اسی عرصہ میں انھوں نے ترکی زبان میں کافی مہارت حاصل کر لی تھی جنگ عظیم کے خاتمہ پر وہ شام آگئے وہاں سے وہ بیت المقدس کے دار المعلمین کے پروفیسر مقرر ہو کر گئے اس کے بعد ۱۹۲۱ء میں جب عراق کے حالات بہتر ہوئے تو وہ بغداد آگئے اور

وزارتِ تعلیم کے ماتحت ترجمہ و تالیف کی کمیٹی کے نائب صدر کی حیثیت سے کام کرتے رہے۔

عراقی قوم نے ابتدا میں ان کی قدر نہیں کی اور وہ بہت تکلیف اُٹھاتے رہے مگر جب ملک آزاد ہوا اور لوگوں میں علمی شعور پیدا ہوا تو ان کی بہت عزت اور احترام ہوا اور اب ان کے مرنے کے بعد انھیں قومی شاعر تسلیم کرتے ہوئے ان کے شاعرانہ کمالات پر کتابیں اور مقالات تحریر کیے جا رہے ہیں' ان کے اشعار کے وہ مجموعے جو وہ اپنی زندگی میں شائع نہیں کر سکے تھے، شائع کیے جا رہے ہیں۔

رصافی کی شاعری کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ انھوں نے قصہ کے انداز کو عربی شاعری میں مقبول بنایا جس کی قدیم شاعری میں بہت بڑی کمی تھی ان منظوم قصوں میں زیادہ تر بیکس بیوہ عورتوں اور یتیموں کے دکھ درد کا نقشہ اس انداز میں کھینچا کرتے تھے کہ شعریت کی اصل روح برقرار رہتی تھی' انھوں نے اپنے اشعار میں حریت پسندی۔ بیکس طبقۂ نسواں کی حمایت، غریبوں اور یتیموں کی مفلسی اور بیماری کا ذکر کر کے ملک میں انقلاب برپا کر دیا اور عوام کی ہمدردیاں مظلوم طبقہ کی طرف مبذول ہو گئیں' اس سے پہلے عراق کے اعلیٰ حکام اور سرمایہ دار غریب طبقہ کا کچھ خیال نہیں کرتے تھے مگر انھوں نے اپنے کلام میں بار بار ان کی حمایت کر کے عراقی شاعری کا رخ ہی پلٹ دیا' ان کی ان نظموں کی مقبولیت کو دیکھ کر آنے والے شعراء بھی یتیموں، بیواؤں اور مظلوم طبقۂ نسواں کی حمایت میں کثرت سے نظمیں لکھنے لگے یہاں تک کہ کوئی مشہور عراقی شاعر ایسا نہ تھا جس نے ان موضوعات پر نظمیں نہ لکھی ہوں خواہ وہ قدیم طرز پر شعر لکھتا ہو یا آزاد شاعر ہو۔ بہرحال رصافی کی شاعری کے بھی چار اہم عناصر ہیں

(۱) عمدہ قسم کی وصف نگاری اور لطیف اندازِ بیان۔

(۲) سماجی اصلاح

(۳) حزن و ملال

(۴) قصہ کے پیرائے میں نظمیں[1]۔

رصافی کی نظمیں بحرِ طویل میں ہیں اور اندازِ بیان رزمیہ و بیانیہ ہے وہ غالباً دنیائے عرب کا سب سے زیادہ نڈر اور بے باک شاعر تھا جس نے سیاسی و معاشرتی برائیوں کے خلاف کھلم کھلا بغاوت کی ہے اور اس کے اظہارِ خیال میں اشاروں سے کام نہیں لیا ہے مصری قومی شاعر حافظ ابراہیم بارہا سیاسی وباؤ میں آکر سیاسی معاملوں میں اشاروں اور کنایوں سے کام لیتا تھا مگر رصافی انجام کی پرواہ کئے بغیر کلمۂ حق کہنے میں بالکل پس و پیش نہیں کرتا تھا۔

پہلی جنگِ عظیم میں جب شریفِ مکہ نے ترکوں کے خلاف اعلانِ جنگ کیا تو اس موقع پر عرب قوم پرستوں نے اسی بنا پر اس کا ساتھ دیا تھا کہ وہ ترکوں کے پنجے سے آزاد ہوں گے عرب اس وقت قوم پرستی کے جذبے میں سرشار تھے کہ کہیں سے یہ آواز بلند نہیں ہوئی کہ دو مسلمان قوموں کی باہمی خانہ جنگی کس قدر شرمناک واقعہ ہے ہمارے ملک کے قومی شاعر علامہ اقبال نے وطنیت اور قومیت کے اس خطرناک رجحان کو محسوس کیا تھا اور اسی موقع پر اس کے خلاف صدائے احتجاج بلند کی تھی مگر عرب دنیا میں بہت کم ادیبوں نے اسے محسوس کیا تھا مگر رصافی نے نہایت بلند آواز میں عربوں کو مخاطب کرتے ہوئے کہا تھا:

ماذا تقول اذا اتیت محمداً ویداک تقطران من دم الاسلام

(تم کیا جواب دو گے جب روزِ محشر میں حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایسی حالت میں آؤ گے کہ تمھارے ہاتھوں سے اسلام کا خون بہہ رہا ہوگا۔)

رصافی نے "مطلقہ عورت" اور "یتیم" بہت مشہور نظمیں لکھی ہیں خواتین کی حمایت میں اپنے ملکی معاصر زہاوی کی طرح اس کا قلم بہت رواں تھا ایک نظم میں اس نے پہلی جنگِ عظیم کے بعد

---

[1] الادب العصری فی العراق لرفائیل بطی مطبوعہ المطبعۃ السلفیہ مصر صفحات ۲۷، ۲۸، ۲۹ و ۳۰، ۳۱